گفتنی ها

ہمارا مروّجہ اندازِ خطابت اور زوالِ ملت

سید رمیز الحسن موسوی*

جب کسی مملکت اور معاشرے میں جاگیر دارانہ اور استبدادی نظام رائج ہو جائے تو اس معاشرے میں قدر و منزلت کے ایسے معیارات پروان چڑھنے لگتے ہیں کہ جو جاگیر داروں اور آمروں کے مزاج کے مطابق ہوتے ہیں، ایسے معاشرے میں اُن لوگوں کی قدر دانی ہوتی ہے جو امیروں اور جاگیر داروں کو خوش رکھ سکیں، اس کی بہت سی ترکیبیں ہیں جن میں سے ایک ترکیب، گفتگو کو دل آویز اور تقریر کو موثر بنانا ہے؛ لیکن چونکہ علمی معارف اور مباحث سے اُمراء اور آمر خوش نہیں ہوتے؛ اس لئے جاگیر داری نظام میں جکڑے ہوئے معاشروں میں علمی گفتگو اور بحث مباحثہ کوئی اچھا مشغلہ نہیں بن سکتا ہے۔

پھر سب سے بڑی بات یہ کہ خوبصورت الفاظ خود سحر اور جادو کا سا اثر رکھتے ہیں، وہ نہ صرف سننے والے کو بلکہ بولنے والے کو بھی لطف اندوز کرتے ہیں۔ مقفّیٰ نثر، مترنّم اشعار، فقرے بازی، نکتہ سنجی، چٹکلے اور طرح طرح کی عبارت آرائی، ایک ایسا نشہ ہے جس کی عادت پڑ جائے تو مشکل سے جان چھوٹتی ہے، ایسے میں ہر خطیب کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ خوبصورت الفاظ تلاش کیے جائیں، خواہ معانی جیسے بھی ہوں۔ لہٰذا معنیٰ اور موضوع کی صحت اور اہمیت کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔

---

* ۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نورالہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بھارہ کہو، اسلام آباد۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ الفاظ کا حُسن اور خطابت کا زور، علم و معرفت کے بیان پر غالب آ جاتا ہے اور قوم پر ایک طویل سرور اور نشے کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ایسی صورتحال میں خطابت افیون بن جاتی ہے اور اِس افیون کا نشہ بعض اوقات صدیوں تک باقی رہتا ہے۔

بد قسمتی سے اِس وقت ہماری قوم پر بھی کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہے۔ یہ قوم الفاظ کے حسن، لفاظی کے نشے اور خطابت کے جادو سے کچھ ایسی سحر زدہ ہے کہ اب علمی گفتگو اور معرفت افزا موضوعات پر تقریر اِس قوم کے ہر چھوٹے بڑے کو بُری لگتی ہے۔ ہماری قوم الفاظ کے حسن، لفاظی کے نشے اور خطابت کے جادو سے کچھ ایسی سحر زدہ اور نشے میں مست ہے کہ اب علمی باتیں اور دینی معارف پر مبنی گفتگو قوم کے ہر چھوٹے بڑے کو بُری لگتی ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی جانب سے غم حسینؑ اور ذکر اہل بیتؑ کی جو تاکید کی گئی ہے وہ دلوں کو زندہ کرنے اور قلوب کو معنویت عطا کرنے کے لئے تھی۔

در حقیقت ذکر حسینؑ انسانوں کو متحرک کرتا ہے اور وہ اُسوۂ حسینی اپنا کر ظلم و ستم کے مقابلے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں؛ لیکن خطابت اور لفاظی کے سحر نے اسے نشہ بنا دیا ہے اور کچھ تقاریر، قوم کے لئے افیون کا کام کرنے لگی ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نجات کا سفینہ ہیں اور آپؑ کا ذکر انسانیت کی فلاح کا ذریعہ ہے۔ لیکن جب اسے لفاظی، مقفّیٰ عبارتوں، دھواں دھار تقریروں، چٹکلوں اور فقرے بازیوں کی نذر کر دیا جائے تو یہ بھی سُننے والوں کو غفلت کی نیند سُلا دیتا ہے۔

ایک ممتاز محقق لکھتے ہیں :

> "مغربی مؤرخین گبن سے لے کر مائیکل گرانٹ اور جونز تک متفق ہیں کہ مملکت روم کے زوال میں نظام تعلیم ،علوم سے بے اعتنائی اور شوقِ خطابت کا بہت بڑا کردار ہے ،خالص ادبی تربیت اور شوق خطابت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل روم عقلی علوم کی طرف توجہ نہ دے سکے اور کوئی بڑا فلسفی، سیاستدان، ماہر اقتصادیات یا سائنسدان پیدا نہ ہو سکا"۔

بر صغیر پاک و ہند میں بھی انگریز استبداد نے آمریت، جاگیرداری اور سرمایہ داری کو فروغ دیا، جس کے نتیجے میں قوم کے مزاج میں تملق گوئی اور خوشامد پسندی پروان چڑھی۔ جس کے اثرات ہمارے مذہبی مراسم اور عبادات پر بھی اثرانداز ہوئے اور ہم دین ومذہب میں بھی عقلانیت کی بجائے جذباتی پن اور

رومانیت کی طرف مائل ہو گئے، حتیٰ عزاداری امام حسین علیہ السلام کہ جو ہمارے نزدیک ایک تحرک آفرین سیاسی اور عبادی عمل ہے، بھی اسی جذباتیت اور رومانیت کی نذر ہو کر رہ گیا۔

بر صغیر میں شروع ہی سے عزاداری کو راجوں، نوابوں اور اعلیٰ حکام کی سرپرستی حاصل تھی اور علمائے دین کو ہمیشہ اس سے دور رکھا گیا جس کی وجہ سے ذکر حسینؑ کا علمی اور عقلی پہلو جذبات واحساسات میں گم ہو کر رہ گیا، یہاں پیشہ ور مقررین، خطباء، ذاکرین اور نوحہ خوانوں کی لفاظی، مقفّیٰ عبارتوں اور غنا آلود مرثیوں نے کربلا کے ذکر سے کردار کی تعمیر کی بجائے اُن کی تفنّن طبع کا سامان مہیا کیا ہے۔

بر صغیر کے علاوہ دیگر ممالک کے لوگوں اور دوسری اقوام وملل نے بھی ذکر حسینؑ اور عزاداری امام مظلومؑ بر پا کی ہے؛ لیکن وہاں امراء اور سرمایہ داروں کی بجائے علمائے دین نے اس کی سرپرستی کی ہے، جس کی وجہ سے اس کا عقلی اور دینی پہلو، اس کے جذباتی اور عاطفی پہلو پر غالب رہا ہے، وہاں ذکر حسینؑ، ظلم وستم کے خلاف ایک آواز میں تبدیل ہو گیا ہے اور ظالم وستم گر شہنشاہوں کے ایوان عزاداروں کی فریادوں اور حسینیت کا پرچار کرنے والے خطیبوں کی آوازوں سے لرزنے لگے اسی ذکر حسینؑ نے ایرانی قوم کو ڈھائی ہزار سالہ ستم شاہی نظام سے نجات دلادی اور یہی ذکر حسینؑ حزب اللہ (لبنان) کے مجاہدین کو صیہونی ظالموں کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار بنا چکا ہے۔

لیکن ہمارے ہاں یہی ذکر حسینؑ ہماری جذباتی خطابت، لفاظی اور نکتہ بازیوں کی وجہ سے بیداری ملت کی بجائے اُسے خواب غفلت میں لے جانے کا سبب بن گیا ہے۔ محرم الحرام جیسا حماسہ آفرین مہینہ ہر سال آتا ہے؛ لیکن اس میں امام حسین علیہ السلام کے ظلم ستیز آفاقی اور الٰہی کردار کے مطالعے کی بجائے ہم لوگ فقرہ بازی پر مبنی خطابت نیز موسیقی اور غنا بھری آوازوں میں قصیدے، نوحے اور مرثیے سننے کے منتظر ہوتے ہیں۔

کیونکہ کوئی عالم دین، دینی معارف اور قرآن اور اہل بیتؑ کے علوم کا پرچار کرنے کی سعی کرتا بھی ہے تو اُسے سننے والے بہت کم ملتے ہیں؛ مگر جہاں لفاظی اور عبارت آرائی کا مظاہرہ کرنے والا مقرر اپنی خطابت کا جادو جگا رہا ہوتا ہے وہاں عوام کا رش لگا ہوتا ہے اور یہی مجلس، مقبول مجلس سمجھی جاتی ہے۔ زوال ملت کے اسباب کا مطالعہ کرنے والوں کو قوم کے زوال کے اس پہلو پر ضرور توجہ دینی چاہیے کیونکہ جب تک

محبانِ حسینؑ کے جذبات سے کھیلنے والے مقررین موجود ہیں، اس قوم میں حسینی روح پھونکنا ناممکن ہے اور عزاداری امام مظلوم کے ذریعے ظلم وستم کے ایوان گرانے محال ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے اہم کردار بانیان مجالس کا ہے کہ وہ ان مجالس عزا کو کس نیت سے برپا کرتے ہیں، کیا وہ محض ایک رسم کے طور پر عزاداری منانا چاہتے ہیں اور ایک عادت پوری کرنا چاہتے ہیں؟ یا عزاداری مظلوم کربلا کے ذریعے کربلا کے مظلوموں کا پیغام زندہ کرنا چاہتے ہیں اور اہل بیت اطہارؑ کے فرمان کے مطابق "امر دین کا احیاء" کرنا چاہتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور قربانی دین خدا کے احیاء کے لئے تھی، اگر ہم بھی عزاداری امام مظلومؑ کے ذریعے اسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں معارف کربلا کو زندہ کرنا ہوگا اور ایسے خطباء اور ذاکرین کی خدمات حاصل کرنا ہوں گی جو اسی نیت اور مقصد کی خاطر منبر حسینیؑ پر آتے ہیں اور اسے ایک الٰہی فریضہ سمجھتے ہیں۔

دین خدا آج بھی مظلوم ہے، اسلام آج بھی تنہا ہے، قرآن آج بھی مہجور ہے، اسے اگر زندہ کیا جاسکتا ہے اور تنہائی سے نکالا جاسکتا ہے تو فقط کربلا اور عاشورا کے ہی ذریعے سے زندہ کیا جاسکتا ہے، مگر وہ کربلا اور عاشورا جو ۶۱ ہجری میں سرزمین نینوا پر رونما ہوا تھا نہ وہ کربلا وعاشورا کہ جو ہم علاقائی رسم ورواج اور ثقافتوں کے ذریعے وجود میں لائے ہیں۔ وہ حقیقی کربلا ہے کہ جس میں اسلام زندہ ہوتا ہے، اصول دین اور فروعات دین کی آبیاری ہوتی ہے، ظلم وستم کی حوصلہ شکنی اور مظلوموں کی اشک شوئی ہوتی ہے اور جس میں خطباء، خطبات حسینیؑ کا پرچار کرتے ہیں نہ مظلومیت حسینؑ کے ذریعے ہیں۔ بقول شاعر انقلاب جوش ملیح آبادیؒ نے

سوچ تو اے ذاکرِ افسردہ طبع نرم خو　　آہ تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو
تاجرانہ مشق ہے مجلس میں تیری ہاؤ ہو　　فیس کا دریوزہ ہے منبر پر تیری گفتگو

بہر حال یہ بانیان مجالس ہیں کہ وہ کس قسم کے خطباء کو دعوت سخن دیتے ہیں اور کس طرح کی عزاداری برپا کرنا چاہتے ہیں؛ اگر اُن کی برپا کردہ مجالس عزا سے دین خدا زندہ ہوتا ہے اور پیغام کربلا کو فروغ ملتا ہے تو وہ ائمہ طاہرینؑ کے فرامین کے مطابق عظیم اجر وثواب کے مستحق ہیں اور یقیناً آخرت میں شفاعت

حسینؑ سے بہرہ مند ہوں گے ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ حسین ابن علیؑ "سفینۃ النجات" ہیں اور آپؑ کا ذکر بھی مظلوم اقوام کے لئے سفینۂ نجات ہے۔

الحمد للہ ! آج بہت سی مجالس عزا سفینۂ نجات بن رہی ہیں اور لوگوں میں دینی شعور پیدا ہونے کی وجہ سے علمائے دین اور تفقہ فی الدین رکھنے والے خطباء کے ذریعے یہی مجالس پیغام کربلا کے فروغ کا باعث بن رہی ہیں اور ہم غفلت زدہ خطابت سے تحرک اور شعور پیدا کرنے والی خطابت کی طرف سفر شروع کر چکے ہیں۔

اُمورِ مملکت کی اصلاح کے اہتمام کی ضرورت

اسلامی معاشرے کے حوالے سے علمائے اسلام اور اُن کے زیر اہتمام چلنے والے اداروں کی ذمہ داریاں بہت سنگین ہیں۔ دینی مدارس ہوں یا دوسرے تعلیمی، تحقیقی اور رفاحی ادارے ،قرآن و سنت کے مطابق اُن کی سب سے بڑی ذمہ داری مسلمانوں کے اُمور ، مسائل اور مشکلات کی طرف توجہ دینا ہے۔ مسلمانوں کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی ،اس کی تمام مشکلات ، مسائل اور خامیوں کی اصلاح کا فریضہ اور ان کا راہ حل علمائے اسلام کے ذمہ ہے ؛اس لیے کہ دین اسلام ایک اجتماعی دین ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہ دین اور اس کی الہامی کتاب قرآن مجید میں انسانوں کے فردی واجتماعی مسائل کے لئے ہدایت اور رہنمائی موجود ہےاور ہمارا دین ہر شعبۂ زندگی میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

اس وقت پورے عالم اسلام سے صرف نظر کرتے ہوئے فقط پاکستانی معاشرے ہی کو دیکھیں تو یہاں کے مسلمان بے شمار مسائل ومشکلات کا شکار ہیں ،نہ فقط تعلیم کے میدان میں؛ بلکہ قوم کی اجتماعی،اخلاقی ، سیاسی اور دینی تربیت کے میدان میں بھی ہماری مشکلات سنگین سے سنگین تر ہوتی جارہی ہیں ، یہ مسائل دن بدن بڑھتے جارہے ہیں اور معاشرے پر علمائے دین کی حقیقی توجہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایسی بے دینی کی دلدل میں دھنس رہے ہیں کہ جس سے نکلنے کے لئے اگر ملک کے تمام دینی ادارے پورے اخلاص کے ساتھ دن رات بھی کام کریں تو کم ہے۔

ہمارا ایک بنیادی مسئلہ تعلیم ہے ، فقط دنیوی تعلیم کے میدان کو ہی دیکھیں تو نونہالان ملت کس قدر مصائب کا شکار ہیں ، ہمارے بچوں کو بنیادی تعلیم بھی اپنی مادری زبان میں پڑھنے کا حق حاصل نہیں ہے،

ہمارا مظلوم بچہ معاشرتی علوم جیسا مضمون اور اس کی ابتدائی چیزوں کو جاننے کے لئے انگریزی زبان میں کہ جس کی ابھی وہ الف ب سے بھی آگاہ نہیں ہوتا، رٹالگا کر یاد کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ شاید تھوڑی بہت انگریزی تو جان لیتا ہے مگر جن علوم وفنون سے اُسے آگاہ ہونا چاہیے اُس کی ابتدائی ترین معلومات سے بھی محروم رہ جاتا ہے، کیا ہم نے کبھی امتحانات کے دنوں میں اپنے بچوں کی اس مشکل کی طرف توجہ کی ہے؟ کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہمارا معیار تعلیم دن بہ دن کیوں گر رہا ہے؟ دینی مدارس میں آنے والے بچے میٹرک کی سند رکھنے کے باوجود اُردو زبان کے چند جملے بھی درست انداز میں نہیں بول سکتے، یہ تو تعلیمی مشکلات کی ایک جھلک تھی اس کی تفصیل تو ماہرین ہی بتا سکتے ہیں۔

اخلاقی واجتماعی تربیت کے میدان میں قوم کے بچوں سے لے کر ادھیڑ عمر کے مرد وخواتین تک جس پستی اور انحطاط کا شکار نظر آتے ہیں، اُس سے واضح ہوتا ہے کہ قوم کی تربیت کرنے والے برسوں سے خواب غفلت میں ہیں، اس حوالے سے اگر اسلام آباد میں ہونے والے حالیہ سیاسی دھرنوں اور طریقۂ احتجاج ہی کو دیکھ لیں جو تا دمِ تحریر جاری ہیں تو اس سے پوری قوم کے اخلاق و کردار کی جھلک سامنے آ جاتی ہے۔

انقلاب مارچ میں پھر بھی تربیت وتہذیب کے آثار نظر آتے ہیں؛ لیکن آزادی مارچ کا دھرنا جو کہ ایک انتہائی سنجیدہ ہدف کے لئے دیا جارہا ہے، یعنی ملک کے فرسودہ سیاسی نظام کو سنجیدہ اور کارآمد نظام میں تبدیل کرنا، اِس دھرنے میں سیاسی رہنما اور اُن کے ہمنوا جس انداز کا احتجاج کر رہے ہیں، اُس سے پورے معاشرے کو فقط یہی پیغام مل رہا ہے کہ نئے پاکستان میں پوری قوم (جوان بچیوں سے لے کر ادھیڑ عمر خواتین اور مردوں تک) کو ناچ گانے میں مصروف کر دیا جائے گا۔

پوری دنیا میں سیاسی احتجاج ہوتے ہیں لیکن کہیں نہیں دیکھا گیا کہ قوم کے رہنما، قوم کی بچیوں کو اس طرح ناچ گانے اور لہو ولعب کی طرف لے جارہے ہوں، یہ تو اخلاقی حوالے سے قومی پستی وانحطاط کی ایک مثال تھی جو ہمارے معاشرے میں موجود دینی اداروں اور علماء کے لئے لمحۂ فکریہ ہے؛ اگر علمائے دین اس قوم کے لئے کوئی اخلاقی نظام بناتے اور قوم کو قرآن وسنت کی اخلاقیات سے آگاہ کرتے تو آج ہمارے نوجوان تو کیا سیاسی رہنما بھی سرے عام ایسی پست اور خلاف مروّت حرکتیں کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

جس دن ملک میں کیبل اور جدید میڈیا کے ذرائع سے غیر دینی ثقافت کی ترویج کا کام شروع ہوا تھا اگر اُسی دن علماء اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیئے کہ جو تمام مسلمانوں بالخصوص علمائے دین پر فرض ہے ،تو آج ہمارا معاشرہ اس حالت کو نہ پہنچتا کہ جہاں گناہ ،گناہ نہیں سمجھا جارہا۔ یہ تو اخلاقی میدان تھا، لیکن جہاں تک ہمارے سیاسی نظام کی فرسودگی کا تعلق ہے تو اُس پر جس قدر گریہ اور نالہ و ماتم کیا جائے، کم ہے۔اِس سے قطعِ نظر کہ اسلام آباد میں حالیہ دھرنوں کے قائدین اور اُن کے حامیوں کا رویّہ درست ہے یا نادرست اور ان کے مقاصد اور اہداف ملک و قوم کی بہتری ہے یا اپنے ذاتی منافع ؟ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں عدل و انصاف اور ملک و ملت کے لیے مفید سیاسی نظام کہیں نظر نہیں آتا ہے۔

جمہوریت کے دفاع کے نام پر اکٹھی ہونے والی تمام سیاسی جماعتوں کی کارگردگی بھی قابل مذمت ہے، جمہوریت کو بُت بنانے والے یہ بھول گئے کہ جمہوریت دراصل کس درد کی دوا ہے، جس جمہوری نظام میں عوام کو انصاف نہ ملتا ہو، امیر، امیر سے امیر تر اور غریب، غریب سے غریب تر ہوتا چلا جائے، سیاست وراثت میں تقسیم ہونے لگے اور چند خاندان ملک و ملت کی تقدیر کے بے تاج بادشاہ بن جائیں؟ایسا جمہوری نظام کیونکر احترام اور تقدس کا مستحق ہے؟ وہ جمہوریت جس میں ایک بات محض اس لیے قانون بن جائے کہ جمہور کی رائے ہے، خواہ وہ بات ہر اخلاقی اور عقلی ضابطے کے خلاف ہو، کیوں مقدس گائے بن جائے ؟!

ہم اس ملک میں ہر کسی کی ڈکٹیٹر شپ کی مذمت کرتے ہیں اور اگر یہ آمریت، جمہوریت کا لبادہ اُوڑھ لے تب بھی قابل مذمت ہے، جس جمہوری نظام میں غریب و نادار پر تو ناجائز کیس بھی آسانی سے بن جائے لیکن طاقتور ،لوگوں کی عزت و ناموس پر ڈاکہ ڈالیں، قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں اور اُن پر ایف۔آئی۔آر بھی نہ کٹ سکے، یہ کیسا جمہوری نظام ہے اور یہ کیونکر قابل احترام ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں جمہوریت کے نام پر سیاسی ثروت کی بندر بانٹ ہو رہی ہے؛ اگر یہ حالت بدلنے کا اہتمام نہ کیا گیا تو ہماری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں۔

جہاں تک ہمارے ملک کے معاشی حالات کا تعلق ہے تو بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں دینی معاشی نظام پنپ ہی نہیں پایا ہے، سودی نظام تو ایک طرف، عام بازاروں میں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جس کا قرآن

وسنت رسولؐ پر ایمان رکھنے والے معاشرے میں تصور تک نہیں کیا جاسکتا، کیا ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، سود خوری، (نچلی سطح سے اعلیٰ سطح تک) چور بازاری، اقتصادی اور معاشی فساد جس میں حکمرانوں سے لے کر معاشرے کا عام طبقہ تک مبتلا ہو چکا ہے، رشوت اور معاشی اقربا پروری کے بارے میں کوئی دینی وقرآنی احکام موجود نہیں ہیں کہ جس کی وجہ سے دینی ادارے اور علمائے دین خاموش بیٹھے ہیں؟!

کیا مسلمانوں کی عزت نفس، خود اعتمادی، کفار کے سیاسی تسلط سے پرہیز، طاغوت پرستی، کفار سے دوستی اور اُن کے قوانین کی پیروی کے بارے میں کوئی قرآنی آیت موجود نہیں ہے کہ جس پر علمائے دین نے چپ سادھ کر رکھی ہے؟ کیا جمعہ کا دن ہمارے دین میں مقدس نہیں اور ہماری ثقافت کی علامت نہیں ہے؟ کیا جمعہ کی نماز ہمارا ایک سیاسی وعبادی عمل نہیں کہ جو مسلم معاشرے کو یکجہتی کی لڑی میں پرونے کا اہم ذریعہ ہے اور اسلامی سیاست کی بنیاد ہے؟ لیکن نام نہاد مسلمان اور سیکولر حکمرانوں کی طرف سے عرصہ دراز سے جمعہ کی چھٹی کے بجائے کفار کے مقدس دن اتوار کی تعطیل پاکستانی علمائے دین کے لئے لمحہ فکریہ نہیں کہ اس دن کوئی دیندار مسلمان نماز جمعہ میں یکسوئی کے ساتھ شرکت نہیں کرسکتا اور نہ ہماری نوجوان نسل جمعہ کی برکات سے بہرہ مند ہو سکتی ہیں۔ جمعہ کے باب میں ہمارا مرثیہ بہت طولانی ہے جسے ہم کسی اور فرصت کے لئے اُٹھا رکھتے ہیں۔

کیا مسلمانوں کی وحدت ویکجہتی کے بارے میں قرآن مجید کی واضح تعلیمات اور ہوشیار باش پر مبنی آیات موجود نہیں ہیں کہ جن میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تفرقے میں پڑوگے تو تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی، کیا اس واضح قرآنی تنبیہ کے باوجود ہمارے دینی ادارے اور شخصیات ہی اس قرآنی حکم کی مخالفت کرتی ہوئی نظر نہیں آتیں؟ کیا پاکستان کے معاشرے میں مسلمان فرقہ در فرقہ تقسیم نہیں ہو چکے؟ کیا اس پر کسی جید عالم دین اور مستند دینی ادارے نے کوئی قدم اُٹھایا ہے یا کم از کم سوچا تک ہے؟

کیا دین اسلام میں بچوں کے حقوق نہیں ہیں اور والدین کی سرپرستی سے محروم یتیم ونادار بچوں کے بارے میں قرآن وشریعت میں کوئی قانون اور احکام موجود نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ہمارے معاشرے میں کیوں ہزاروں بچے اجتماعی بے حسی کا شکار بنے ہوئے ہیں؟ اس وقت بچوں کے استحصال اور دیگر حوالوں سے ظلم وستم کا نشانہ بننے کے حوالے سے بعض اخباری رپوٹوں میں جو کچھ آرہا ہے وہ ہمارے دینی نظام کے لئے ایک سوالیہ نشانہ ہے، کیا خواتین کے بارے میں قرآن اور معلم قرآن ﷺ نے کوئی تعلیمات نہیں دیں

کہ آج مسلمان خاتون سیاسی بازیگروں سے لے کر معاشی اور جنسی ہوس پرستوں کی ہوس پرستی کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر اس وقت ملک میں خود علمائے دین کی آبرو وحیثیت داؤ پر لگی ہے، ملک میں دینی مرکزیت اور مرجعیت کا کوئی واضح معیار نہ ہونے کی وجہ سے سطحی دینی تعلیم کے ساتھ ہر لفنگا، ڈنڈے باز، مادی، سیاسی طاقت اور مکارانہ چالاکی کے بل بوتے پر ملک کا مفتی اعظم، دین کا سب سے بڑا علمبر دار، مختلف نو ظہور فرقوں کا سرپرست اعلیٰ اور مرشد کامل بنا ہوا ہے اور رجید و با تقویٰ علمائے دین گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ملک میں تمام مستند اسلامی فرقوں کے جید اور با تقویٰ علمائے دین موجود ہیں جو دین کا درد بھی رکھتے ہیں اور معاشرے کے دین مخالف رویوں پر خون کے آنسو بھی بہا رہے ہیں؛ لیکن اُن کی خاموشی اور ذمہ داریوں سے پہلو تہی نے چند عیار اور دنیوی معاملات کے ماہر، مکار اور نام نہاد علما کو معاشرے میں اپنی دکانیں چمکانے کا موقع فراہم کیا ہوا ہے، یہی وہ علمائے سُوٴ ہیں جن کے بارے میں قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی واضح تعلیمات موجود ہیں مگر ہم ان سے غافل ہیں، معاشرہ اُسی وقت دین دار بن سکتا ہے جب دیندار لوگوں کی سرپرستی میں ہو، بے دین علما اور بے دین، دینی ادارے کس طرح معاشرے کو دین دار بنا سکتے ہیں۔

پاکستان کے مسلمان بے شمار سماجی مسائل کی وجہ سے نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں مگر جن کی درست روحانی اور دینی رہنمائی کا خاطر خواہ اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے جھوٹے، دغا باز اور بے دین پیروں، فقیروں اور جادو ٹونے کے ماہر عاملوں کی دکانداری کا بازار گرم ہے اور ہزاروں مظلوم عورتیں اور ان پڑھ اور کمزور ایمان مسلمان ان کے جال میں پھنس رہے ہیں اور اپنے مال و دولت کے علاوہ اپنی عزت و ناموس بھی گنوا رہے ہیں، کیا جادوگروں اور عاملوں کے بارے میں علمائے اسلام کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

اہل قبلہ کو اپنا ہم فکر نہ ہونے کی وجہ سے کفر کے فتوؤں سے تو نوازا جاتا ہے اور اُن کے قتل کے اسباب فراہم کئے جاتے ہیں؛ لیکن آج تک کسی دار الافتاء کی جانب سے ان جادوگروں اور اللہ کے عذاب سے بے خبر عاملوں کے بارے میں کسی مفتی نے کوئی فتویٰ نہیں دیا اور نہ جنت کے مشتاق کسی خود کش نے

ان کو قتل کرکے شہادت کا درجہ پایا ہے،ان جنت کے مشتاق خودکشوں نے کبھی بھی کسی عامل وجادوگر کی دکان تباہ نہیں کی؛البتہ ہزاروں نمازی ضروری قتل کیے ہیں۔

ہم نے مندرجہ بالاسطور میں چند مثالوں سے پاکستانی مسلمان معاشرے کی مصائب بیان کرنے کوشش کی ہے، جن سے پاکستانی معاشرے کے بے شمار مسائل اور مشکلات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حالیہ سیاسی ہلچل اور قومی اخلاقی حالت کی عکاسی کرنے والے نظارے ہمارے دین دار علمائے دین اور دردآشنا اداروں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونے چاہئیں۔ہمیں یہ نہیں دیکھنا کہ موجودہ حکومت اور سیاسی جماعتوں نے ان سیاسی ہنگاموں کو کس نظر سے دیکھا ہے یقیناً اُنہوں نے اپنے سیاسی مفادات ہی کے تناظر میں ان کا حل نکالنا ہے،ہمارے لیے یہ اہم ہے کہ عالم دین اور میراث انبیاء کے وراث ہونے کی حیثیت سے معاشرے کے ان مسائل کو ہم کس نظر سے دیکھ رہے ہیں ؟کیا چند روزہ دنیوی مفاد اور چند روزہ مادی زندگی کے بدلے ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مسلمان معاشرے کی ان مشکلات کے سلسلے میں جوابدہ ہونے کی ہمت رکھتے ہیں ؟کیا ان دردناک مشکلات کا شکار ہونے والے مسلمان مستضعف بچے،نوجوان،عورتیں اور مرد ہماری رہنمائی کے محتاج نہیں ہیں اور ہم اُن کی اس احتیاج کو پورا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں ؟ایک حقیقی عالم دین کو بیدار کرنے کے لئے تو پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ جس میں آپؐ نے فرمایا:

"من اصبح لایهتم بامور المسلمین فلیس بمسلم ومن سمع رجلا ینادی یا للمسلمین فلایجبه فلیس بمسلم"

یعنی" جو اس حال میں صبح کرے کہ وہ مسلمانوں کے مسائل اور اُمور کی طرف متوجہ نہ ہوااور اس نے ان کا اہتمام نہ کیا ہو تو وہ مسلمان نہیں اور جو کسی مظلوم کی فریاد سنے اور اس کا جواب نہ دے وہ بھی مسلمان نہیں ہے۔"